نظرات

(۴)

صدر مسلم یوتھ موومنٹ نے پوچھا: علماء اور تبلیغی جماعت کے حضرات ہمارے اجتماعات میں عدم شرکت کی جو وجہ بیان کرتے ہیں آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟

میں نے کہا: اگر واقعی وجہ یہی ہے جو آپ نے بتائی ہے وہ سرتا سر غلط اور نہایت افسوسناک ہے، کیونکہ مسجد حرام مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی مدینہ منورہ سے بڑھ کر مقدس اور کونسی جگہ ہے اور وہاں مردوں اور عورتوں دونوں کا ایک ساتھ اجتماع ہوتا ہے، دونوں ایک ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، ایک ساتھ طواف کرتے، ایک ساتھ روضۂ اقدس پر سلام پڑھتے ہیں اور حج کے موقع پر مشاعر حرام یعنی عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں دونوں دوش بدوش رہتے ہیں، حالانکہ ارشاد نبوی: "احرام المرأة فی وجهها" عورت کا احرام ہی یہ ہے کہ اس کا چہرہ کھلا رہے، اور اس حدیث صحیح کی بنیاد پر حکم فقہی کے مطابق ان سب مقامات پر عورتوں کا چہرہ کھلا رہتا ہے، علاوہ ازیں قرون اولیٰ میں عورتیں مردوں کے ساتھ مساجد میں عموماً اور عیدگاہوں میں خصوصاً نماز باجماعت ادا کرتی تھیں، چنانچہ ارشاد نبوی ہے: مسجد میں پہلی صف بالغ مردوں کی اس کے پیچھے نابالغ لڑکوں کی اور آخر میں عورتوں کی صف ہونی چاہیئے، اور عید کے موقع پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا کہ عورتوں کو عیدگاہ میں لے جایا کرو

تاکہ مسلمانوں کی کثرت آبادی کا اندازہ ہو اور ہیں اس کی بنیاد پر دوسری قوموں سے مسابقت کروں بہرحال اس سے یہ ثابت ہے کہ خواتین جن کو حضرت فاطمہ نے "ریاحین" یعنی پھول کہا ہے ان سے اتنی وحشت (نفرت نہ سہی) کہ جس اجتماع میں اسلامی آداب کے ساتھ موجود ہوں گی آپ اس میں شریک ہی نہ ہوں گے، قطعاً غیر اسلامی رجحان ہے، میں یہ جواب دے کر خاموش ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

لیکن اپنے نہاں خانۂ قلب میں یہ محسوس کر کے مجھ کو بڑا دکھ اور افسوس ہوا کہ جو صورت حال یہاں ہے وہی برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں ہے، یعنی جو علمائے کرام ہیں انھوں نے اپنی سرگرمیوں کو مدارس میں درس و تدریس، وعظ و خطابت اور سیرت کے جلسوں میں شرکت اور تقریر تک محدود کر رکھا ہے اور مسلم نوجوانوں میں جو حرکت پیدا ہو رہی ہے اور اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لئے نہایت منظم طریقہ پر بڑے جوش اور دل کی لگن کے ساتھ وہ جو کام کر رہے ہیں، علمائے کرام بحیثیت ایک طبقہ کے اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ ایسا اوقات اس معاملہ میں ان کی روش بجائے مثبت ہونے کے منفی ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ طبقۂ علماء اور نوجوانوں میں بعد و افتراق کی خلیج روز بروز وسیع تر ہو رہی ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ پر علماء کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے، پھر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامیات پر تحقیق و تصنیف، اور اسلامی اداروں کی تنظیم و تعمیر کا جو کام انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ صرف یہاں نہیں بلکہ ساری دنیا میں کر رہا ہے وہ ہمارے علماء کا طبقہ نہیں کر رہا ہے، اور اس طبقہ میں اب ایسے افراد بھی بکثرت ملیں گے جو علوم جدیدہ کی اعلیٰ تعلیم اور ان میں ماہرانہ درک و بصیرت کے باوصف ماشاء اللہ علم دین میں دستگاہ رکھتے ہیں، حافظ قرآن بھی ہیں اور قاری بھی، مسجدوں میں امامت کرتے ہیں، تراویح میں قرآن مجید سناتے اور قرآن کا درس بھی دیتے

ہیں، ان سب امور کے پیش نظر ذرا بعید نہیں کہ آئندہ مسلمانوں کی دینی قیادت طبقۂ علماء سے منتقل ہوکر انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے، اگر ایسا ہوا تو کسی کو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اللہ کی ذات بڑی بے نیاز ہے، وہ اپنے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے اعلاء و سربلندی کے لئے کسی خاص جماعت و گروہ کا محتاج نہیں اس نے یہ کام کبھی بادشاہوں سے لیا ہے، کبھی ارباب تیغ و تفنگ سے، کبھی صوفیائے کرام سے لیا ہے، اور کبھی اصحاب علم و فضل اور ارباب قلم سے۔

اسلام اگر اللہ کا دین ہے اور اسے قیامت تک موجود اور سرفراز و سربلند رہنا ہے تو ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسے مخلص اور خدمت گذار ان دین پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کا نام اور کام روشن رکھیں گے، لیکن اگر مسلمانوں کی دینی اور ذہنی قیادت کا سررشتہ علماء کے ہاتھ میں نہ رہا تو سوچنا چاہیئے کہ پھر ہمارے سینکڑوں مدارس عربیہ و دینیہ کس مرض کی دوا ہوں گے اور ان کے وجود کی افادیت کیا ہوگی؟ درحقیقت یہی وہ اندیشہ تھے جن کی بنا پر راقم الحروف عرصۂ دراز سے تقریروں اور تحریروں میں مدارس کے نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کی اصلاح اور ان کی تنظیم جدید کا پرچار کرتا رہا ہے، اور صرف یہی نہیں، بلکہ منتخب علماء و فضلاء پر مشتمل ایک بورڈ کی مدد سے ڈیڑھ دو برس کی محنت اور غور و خوض کے بعد ایک جامع نصاب شائع بھی کر دیا گیا ہے جو سنٹرل وقف کونسل، نئی دہلی کے دفتر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر علماء نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے معاملات و مسائل سے دلچسپی نہیں لیتے اور ان کی تحریکات و اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے تو اس کی

بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات انگریزی یا کسی اور مغربی زبان اور علوم جدیدہ سے ناواقف ہوتے اور اسی بنا پر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ موجودہ زمانے کے سماجی اور اقتصادی مسائل پر اگر گفتگو کریں گے بھی تو یہ گفتگو فن کی زبان میں نہ ہونے کے باعث مخاطب کے لئے اطمینان بخش اور یقین افروز نہ ہوگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" ندوۃ المصنفین، دہلی کی طرف سے شائع ہوئی تو ملک میں دھوم مچ گئی اور کتاب بڑی مقبول ہوئی، لیکن جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جن کا خاص موضوع اقتصادیات (Economics) تھا اور جو اس زمانہ میں قرول باغ میں ہمارے قریب ہی رہتے تھے، انھوں نے اس کتاب کو بڑے شوق اور توجہ سے پڑھنے کے بعد فرمایا: اس میں شک نہیں کہ مولانا نے کتاب بڑی محنت و کاوش اور تحقیق سے لکھی ہے، لیکن اقتصادیات کے طالب علم کے لئے ناقابل فہم ہے، اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کتاب کو فن کی زبان میں "فن کے اصول اور اس کے قواعد و ضوابط کے مطابق مرتب کر دوں" ہم نے عرض کیا: ڈاکٹر صاحب! یہ کام ضرور کر دیجئے، آپ کو بڑا ثواب ملے گا، ڈاکٹر صاحب نے پختہ وعدہ فرمایا، لیکن افسوس! یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

جو حال اقتصادیات کا ہے وہی حال سوشیالوجی، پالٹیکل سائنس، قانون اور فلسفۂ مغرب کا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے سماجیات، سیاست، قانون اور علم کلام کے مسائل و مباحث پر سیر حاصل اور نتیجہ خیز گفتگو ان علوم میں درک و بصیرت کے بغیر نہیں ہو سکتی، ان حقائق کے پیش نظر ممالک عربیہ کے دینی مدارس اپنے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کر رہے ہیں، پھر ہم کیوں نہ کریں۔